سورۂ عصر کی حکیمانہ انقلابی تفسیر

از

از حضرت مولانا عُبید اللہ سندھیؒ

مرتبہ

شیخ بشیر احمدؒ

قرآنی اُصولِ اِنقلاب یعنی تفسیر سُورۂ عصر

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

زمانے کی قسم یقیناً انسان گھاٹے میں ہے سوائے ان کے جنھوں نے ایمان اختیار کیا

الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝

اور اچھے کام کیے اور آپس میں حق کی تلقین کرتے رہے اور صبر و استقامت کی تاکید کرتے رہے -

تمہید

مختلف قوموں میں نبیوں کے ذریعے سے جو شریعتیں آئیں، ان میں بعض اُصول ایسے ہیں جو سب الہامی کتابوں میں پائے جاتے ہیں - یہ گویا علوم متعارفہ (POSTULATES) ہیں ! ان کے مجموعے کو دِین کہتے ہیں :-

مثلاً یہ عقیدے کہ خُدا ایک ہے، موت کے بعد بھی زندگی ہے، انسانوں

کو ان عملوں کی جزا (یا سزا) ملتی ہے، مختلف قسم کی شخصی نیکیاں (اُصولِ اقترابات[1]) مثلاً طہارت، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، نفلی عبادات وغیرہ۔ اور مختلف معاشرتی اصول و معاشرتی ارتفاقات[2] مثلاً نکاح، اجتماعی عدل قائم کرنے اور ظلم کو مٹانے کی کوشش کرنا، غلط کاروں کو سزا دینا، اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے لڑنا، یہ سب دین کے اصول کہلاتے ہیں۔

ان عقیدوں، شخصی نیکیوں، معاشرتی اور ثقافتی اصولوں نے ہر زمانے میں قوموں کے مزاج، اور جغرافیائی اور تاریخی حالات کے مطابق مختلف شکلیں اور صورتیں اختیار کی ہیں۔ ان خاص شکلوں کا مجموعہ جو دین کے اُصول ہر زمانے میں اختیار کرتے رہے ہیں، اس زمانے کی شریعت کہلاتا ہے۔

(ملخص از حجۃ اللہ البالغہ جلد اول صفحہ ۸۶۔۸۷)

قرآنِ حکیم کا اُسلوبِ بیان یہ ہے کہ وہ دین کے بنیادی اُصولوں کی تشریح بعض چھوٹی سورتوں میں کر دیتا ہے۔ اس کے بعد وہ لمبی سورتوں میں جہاں ان اصولوں کے استعمال کی ضرورت پڑتی ہے ان پر تفصیلی بحث نہیں کرتا بلکہ صرف اشارہ کر دینا یا ان کے لیے اصطلاحی الفاظ استعمال کرنا ہی کافی سمجھتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ لمبی سورتوں میں ان اصولوں کو انھی معنوں میں لیا جائے گا جو چھوٹی سورتوں میں متعین کیے جا چکے ہیں۔ مثلاً قرآن حکیم میں بار بار آتا ہے: اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (جنھوں نے ایمان اختیار کیا اور اچھے عمل کیے)، اس مختصر سے فقرے میں دو اصطلاحیں آئی ہیں۔

الذین اٰمنوا اور عملوا الصّٰلحٰت

ان دونوں اصطلاحوں کی تشریح سورۂ عصر میں کر دی گئی ہے اس لیے قرآن حکیم کے باقی مقامات میں ان اصطلاحوں سے وہی معنی مراد ہوں گے جو اس سورت میں معین کیے گئے ہیں۔

---

[1] اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے طریقے۔

[2] زندگی کی مشکلوں کو آسان کرنے کے طریقے۔

جو لوگ قرآن حکیم کے اس اُسلوبِ بیان اور اس قسم کی اصولی آیتوں کی مراد اچھی طرح سے نہیں سمجھتے وہ اس کتابِ عظیم کا مقصد معین کرنے میں ٹھوکریں کھاتے ہیں اور وہ ہر ایک سُورت کے اُصولی کلمات کے الگ الگ معنی کرتے ہیں جو ان کے خیال میں اس جگہ کے لیے موزوں ہوتے ہیں۔ یہ ان کی بڑی بھول ہے۔

اب ہم اس سورت پر نظر ڈالتے ہیں۔

وَالْعَصْرِ ○
قسم ہے زمانے کی۔

اس میں واو قسمیہ ہے۔

قسم کی حقیقت

شریعتِ اسلامیہ کا یہ قطعی حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی قسم کھانا یا حلف اُٹھانا جائز نہیں ہے۔

چنانچہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف لفظوں میں ارشاد فرمایا ہے کہ

مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللهِ فَقَدْ أَشْرَكَ۔　　جس نے اللہ کے سوا کسی اور کا حلف اٹھایا اس نے شرک کا ارتکاب کیا۔

اس حدیث میں شرک سے مراد خواہ اس کا ادنیٰ درجہ ہی لیا جائے بہرکیف وہ شرک ہی کی مد میں آتا ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ خود قرآن حکیم میں بہت جگہ غیر اللہ کی قسمیں کھائی گئی ہیں ان مقامات میں سے ایک یہ مقام وَالْعَصْرِ ہے۔

بات یہ ہے کہ جب کسی امر کے متعلق دو فریقوں میں جھگڑا ہو جائے تو ہر ایک فریق سے دلیل یا شہادت طلب کی جاتی ہے۔ دلیل سے مراد یہ ہے کہ کسی مسئلے کے تمام پہلوؤں کو اس طرح سے کھول کر بیان کر دینا کہ سننے والا اُسے اچھی طرح سے سمجھ جائے۔ جو شخص اس طرح سمجھنے کا عادی ہو اسے دلیل ہی دی جانی چاہیے اور اس کے سامنے مفصل طور پر بیان کرنے میں تحمل سے کام لینا چاہیے۔ شہادت بھی دلیل ہی کے ذیل میں آتی ہے۔

لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مخاطب کے سامنے کوئی بات کھول کر بیان کی جائے تو اس کا ذہن اُلجھاؤ میں پڑ جاتا ہے۔ جب وہی بات مختصر طور پر مثال کے ذریعے سے سمجھا دی جائے تو اُسے

آسانی سے سمجھ لیتا اور مطمئن ہو جاتا ہے۔ مثال کے لیے کبھی کلمۂ قسم بھی استعمال ہوتا ہے چنانچہ قرآن حکیم کا طرز بیان اسی قسم کا ہے، وہ کبھی تو دلیل بیان کردیتا ہے، کبھی مثال سے کام لیتا ہے اور کبھی مثال کے لیے کلمۂ قسم ہی استعمال کرکے ایک حقیقت مخاطب کے ذہن نشین کردیتا ہے۔

"اسلامی قانون یہ ہے کہ جو فریق دلیل نہ لاسکے وہ قسم کھاتا ہے۔ اس موقع پر قسم سے مراد یہ ہوتی ہے کہ قسم کھانے والا اپنے سچا ہونے پر اللہ تعالیٰ کو جو عالم الغیب ہے بطور گواہ پیش کرتا ہے اور یہ یقین رکھتا ہے کہ اگر میں جھوٹ بولوں گا تو اللہ تعالیٰ مجھے سزا دے گا۔ اس قسم کی شہادت ایک دیندار مسلمان سے یقیناً قبول کرلی جاتی ہے، لیکن اسلام اس بات کو ہرگز جائز نہیں رکھتا کہ یہ اعتقاد رکھا جائے کہ اللہ کے سوا کسی اور کو حقیقی معنوں میں علم غیب حاصل ہے اور اسے یہ "قدرت" بھی حاصل ہے کہ وہ جھوٹے کو اس کے جھوٹ کی سزا دے۔ ان معنوں میں بے شک یہ درست ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی قسم کھاتا ہے وہ شرک کرتا ہے۔ کیونکہ اس کے یہ معنی ہوئے کہ وہ یہ کہتا ہے کہ جن کی میں قسم کھا رہا ہوں وہ ہر قسم کا ذاتی علم غیب بھی رکھتا ہے اور مجھے سزا بھی دے سکتا ہے۔"

قرآن حکیم میں خدا تعالیٰ نے جو قسمیں کھائی ہیں وہ "تمثیل" کے لیے ہیں اور جن چیزوں کی قسمیں کھائی گئی ہیں وہ بطور گواہ یا مثال پیش کی گئی ہیں، چنانچہ اس سورت میں عصر (زمانے) کو اسی غرض کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔

عصر کے معنیٰ ہیں "وقت" جس کے ساتھ گزرنے کا تصور بھی ہو، یعنی "گزرنے والا زمانہ"۔[۱]

زمانے کے گزرنے سے معاشرے میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ یہ ضروری نہیں ہے وہ

---

[۱] جب زمانے کے ساتھ گزرنے کا تصور نہ ہو اور مطلق زمانہ مراد ہو تو اسے دھر کہتے ہیں۔

صالح اور صحیح ہی ہوں۔ بعض غلط کار لوگوں کے اثر سے بڑی تبدیلی (ADSOLUTE TINIE)
بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ معاشرے کی یہ غلطیاں اور غلط کاریاں ملأ اعلیٰ کی سکرین (SCREEN) پر
غلط رنگ کا اظہار کرتی رہتی ہیں۔ اور ملاء اعلیٰ کے فرشتے اس رنگ کے بدلے جانے کے لیے
ذاتِ باری سے دعا کرتے رہتے ہیں۔ جب حکمت الٰہی چاہتی ہے کہ معاشرے میں انقلاب
آئے۔ اور اس "چاہنے" کے خاص قاعدے اور اصول ہیں۔ اس وقت معاشرے میں انقلابی
قوتیں ابھرنے لگتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی اس شان ربوبیت کے متعلق حجۃ الاسلام امام ولی اللہ دہلویؒ رقمطراز ہیں کہ
"انسان کی تخلیق کے بعد نوعِ انسانی کی تربیت کا دور شروع ہوا) اس مرتبے میں ربوبیت
الٰہی دو شعبوں میں تقسیم ہو گئی:۔

(۱) ربوبیت کے وہ احکام جن پر زمانے کے تغیر و تبدل کا اثر نہیں پڑتا مثلاً احوال
وافعال و اخلاق جیسے نطق انسانی، اس کے ہنسنے کی عادت اس کی جرأت اور کیاست
اور معاشرہ انسانی کے لیے ضروری ارتفاقات اور بر و اثم کے اصول جو انسانوں کو اسی
طرح طبیعی الہام کے ذریعے سے ملتے ہیں۔ جیسے شہد کی مکھی یا چڑیا کو۔

(۲) ربوبیت کے وہ احکام جو زمانے کے بدلنے کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ ان تبدیل
ہونے والے احکام کی غرض یہ ہوتی ہے کہ انسان صورتِ نوعیہ انسانیہ کے ساتھ تشبہ قائم
رکھے جو ان ادوار و اعصار کے ساتھ مقرون ہے اور برّ و اثم کے اصول کو زمانے کے لیے
لباس میں مناسب صورتوں میں پیش کرے۔"

مطلب یہ ہے کہ انسانیت کے دو حصے ہیں:۔ (۱) بنیادی انسانیت، جس میں
کبھی بھی کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی (۲) دوسرے انسانیت کے وہ پہلو جو مرورِ زمانہ کے ساتھ
بدلتے رہتے ہیں۔ یہ تبدیلی اگر اچھی ہے تو فبہا ورنہ اسے تبدیل کر کے حقیقی انسانی پہلو کی
طرف لانا ہوگا۔ روحِ عصر (ZEITGEIST) یعنی ملأ اعلیٰ کے فیصلے انسانی معاشرے میں ان
انسانوں کے ذریعے سے پھیلتے رہتے ہیں جو حساس ذہنوں کے مالک ہوتے ہیں اور جب
معاشرتی تبدیلیوں کے خراب پہلو غالب آجاتے ہیں۔ تو ایک بڑا انقلاب آکر معاشرے کی

حالت تبدیل کر دیتا ہے جو لوگ معاشرے کے اندر غلط تبدیلیوں کا سدباب کرنے کی جدو جہد نہ کریں وہ بھی نقصان اٹھاتے ہیں۔ اور جو غلط تبدیلیاں کر کے اپنے مفادات کو ترقی دیتے ہیں، وہ بھی آخر نقصان اٹھاتے ہیں۔

زمانے میں یہ تبدیلیاں ہمیشہ آتی رہتی ہیں اور ہمیشہ آتی رہیں گی، ہمارے خیال میں عصر کے اس تصور کے اظہار کا ایک پہلو تاریخ بھی ہے، جو گزرے ہوئے زمانے کے واقعات کے مجموعے کا نام ہے گویا اس آیت میں تاریخ ہی کی شہادت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

تاریخ کی شہادت پیش کرنا، اعلیٰ درجے کا علمی استدلال ہے البتہ جو لوگ تاریخ کی اہمیت نہیں سمجھتے وہ اس استدلال کی اہمیت کو بھی پوری طرح سے سمجھ نہیں سکتے۔ خود قرآن کریم گزشتہ اقوام کے حالات سے بھرا پڑا ہے اور وہ بار بار کہتا ہے:

"قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ٥

یعنی مختلف ممالک میں چل پھر کر دیکھو کہ جن لوگوں نے خدا تعالیٰ کی ہدایت سے منہ موڑا، ان کا کیا انجام ہوا۔" (الانعام ۶: ۱۱)

وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِىْ خُسْرٍ ۝

انسانی تاریخ گواہ ہے کہ انسان یقیناً گھاٹے میں ہے۔

رُوحِ عصر (SPIRIT OF THE AGE) کے ان اثرات کے ظہور کے وقت انسان کی حکمتِ عملی کا تقاضا کیا ہے؟ قرآن کہتا ہے کہ جو لوگ اس وقت حق قائم کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور علمی جدوجہد شروع کر دیتے ہیں۔ ان کے سوا باقی تمام انسان نقصان اٹھاتے ہیں وہ لوگ بھی جو ارتجاع میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور وہ بھی جو ارتجاع میں مبتلا نہ ہوتے ہوئے انقلاب کے نہیں اٹھتے۔

زمان و مکان کی یہ وہ معاشرتی حقیقتیں ہیں جن کی طرف قرآن حکیم نے پہلی مرتبہ انسان کی توجہ دلائی ہے اور انسان کو آمادہ کیا ہے کہ زمانے کی تسخیر کر کے اسے اپنی منزل کی طرف چلنے پر مجبور کر دینا بھی انسانی شرف ہے۔

انقلاب کے عملی اُصول

قرآن کہتا ہے کہ جب سے انسانی تاریخ لکھی گئی ہے اس پر نظر ڈالو۔تم دیکھو گے کہ وہ اس امر کی ناقابلِ تردید شہادت بہم پہنچاتی ہے کہ جب تک کسی انسانی اجتماع میں چار باتیں جن کا ذکر آگے آتا ہے، پیدا نہیں ہوگئیں وہ کامیاب نہیں ہوا۔ اسی طرح وہ ان کے بغیر آئندہ بھی کبھی کامیاب نہیں ہوگا۔

وہ چار باتیں یہ ہیں :-

(۱) اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا :

جنھوں نے ایمان اختیار کیا

نظریہ اور ایمان اس آیت میں ایمان سے کیا مراد ہے؟ ظاہر ہے کہ جب تاریخِ عالم کی شہادت پیش کی گئی ہے تو ایمان کے معنیٰ بھی وہی لیے جانے چاہئیں جو دنیا کے تمام دینوں میں اصولی طور پر مانے جاتے رہے ہیں۔

مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"جب تم کوئی کام کرنا چاہتے ہو تو سب سے پہلے اس کی "نیت" یا "ارادہ" کرتے ہو، اگر کوئی شخص یہ نیت یا ارادہ کرلے کہ اللہ کے سب حکموں کی تعمیل کروں گا، تو یہ جامع نیت ایمان ہے۔"

جن لوگوں نے قرآنِ حکیم مانا یا اس سے پہلے جنھوں نے تورات یا انجیل کو تسلیم کیا۔ انھوں نے ان کتبِ الٰہیہ میں معین اصول پائے اور ان اصولوں کو مان کر ان پر عمل کرنے کی پختہ نیت بنالی اور انھیں انسانی اجتماع میں قائم کرنے کے لیے اپنا جان و مال تک قربان کرنے کا ارادہ کرلیا، اسے ان کا ایمان کہا جائے گا، لیکن جن انسانی گروہوں میں ایسی الہامی کتابیں موجود نہیں، ان کے اندر حکمائے الٰہی کی کوششوں سے جو صحیح علم آیا اس نے انھیں خدا پرستی کی راہ پر لگایا اور انھوں نے اسے تسلیم کرکے اس کے مطابق کام کرنے کا ارادہ کرلیا اور اس کی خاطر اپنا جان و مال قربان کرنے کا تہیّہ کرلیا تو یہ اُن کا ایمان ہوگا۔

اسلام نے ایمان کا جو مختصر اور جامع فارمولا پیش کیا ہے، وہ یہ ہے۔

"اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ کَمَا ھُوَ بِاَسْمَائِہٖ وَصِفَاتِہٖ وَقَبِلْتُ جَمِیْعَ اَحْکَامِہٖ

اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَتَصْدِیْقٌ بِالْقَلْبِ ۔

یعنی میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا جیسا بھی وہ اپنے اسماء و صفات کے ساتھ ہے اور میں نے زبان کے اقرار اور دل کی تصدیق سے اس کے تمام کے تمام احکام قبول کر لیے۔"

پس قرآن کہتا ہے کہ کسی اجتماع کے کامیاب ہونے کی پہلی شرط یہ ہے کہ اس کے افراد کے دلوں میں صحیح علم کو اپنی جان و مال کی قربانی کے ذریعے سے قائم کرنے کا جذبہ پایا جاتا ہو۔ انسانی تاریخ گواہ ہے کہ جو جماعت ایسے لوگوں سے بنی ہوئی نہ ہو، وہ کبھی کامیاب نہیں ہوئی ہے اور نہ کامیاب ہو سکتی ہے۔

فلسفۂ ولی اللّٰہی کی بنیاد

امام ولی اللہ دہلویؒ نے تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ تمام شریعتوں کا موضوع انسانیتِ عامہ ہی رہا ہے۔ یعنی یہ تمام شریعتیں انسانی فطرت کی ترجمانی کرتی تھیں۔ اور اسی کے تزکیے اور ترقی کے لیے آئی تھیں۔ مختلف شریعتوں میں جو ظاہری اختلاف نظر آتا ہے، یہ ان قوموں کے لحاظ سے ہے، جن میں وہ آئیں۔ ورنہ حقیقت میں ان سب شریعتوں کی تہہ میں انسانی فطرت ہی کی ترجمانی کی گئی ہے اور سب میں مشترک امر یہی اِنسانیتِ عامہ ہے۔

اس لحاظ سے، اوپر ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے اسے یوں بھی ادا کیا جا سکتا ہے کہ جب تک کوئی شخص ایسے صحیح عقائد یعنی ترقی بخش نظامِ معنی کا مالک نہ ہو، جن کی بنیاد انسانی فطرت پر ہو اور وہ ان عقیدوں کو عمل میں لانے کے لیے اپنا نصب العین اس طرح سے نہ بنا لے کہ وہ ان پر اپنا سب کچھ قربان کرنے کو آمادہ ہو جائے، اس وقت تک وہ کامیابی کی طرف نہیں بڑھ سکتا۔

چنانچہ امام ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں کہ

ویجب بذل الجھد علی اھل — جو لوگ اجتماعی رنگ میں سوچتے ہیں ان کے لیے

الآراء الكلية فى اشاعة الحق و تمشيته و اخمال الباطل وصدّه فربما لم يكن ذٰلك الا بمخاصمات او مقاتلات فيعد كل ذٰلك من افضل اعمال البرّ۔	لازم ہو جاتا ہے کہ حق کی اشاعت کرنے اور اسے چلانے میں اور باطل کو مٹانے اور اسے روکنے میں اپنی پوری پوری کوشش صرف کریں لیکن یہ اکثر ممکن نہیں ہوتا جب تک حق کی حقانیت اور باطل کی غلطی دلائل و براہین کے ذریعہ ثابت نہ کر دی جائے یا باطل کے مٹانے اور حق کے قائم کرنے کے لیے جان و مال کی قربانی کے ذریعے قتال نہ کیا جائے ۔ اس وقت ان میں
(حجۃ اللہ البالغہ جلد اول صفحہ ۵)	سے ہر ایک بات بہترین نیکی شمار ہوتی ہے ۔

غرض کامیابی کے لیے کوئی بلند نظریہ یا نصب العین قائم کرنا ضروری ہے جسے ایمان کا درجہ دیا جا سکے ۔ مسلمانوں کا انقلابی نصب العین قرآن حکیم کی تعلیمات ہیں جنھیں خیر القرون (نمونہ کے دَور) میں عمل میں لا کر دکھایا جا چکا ہے اور وہی نمونہ ہمیشہ کامیابی کا معیار ہے ۔

تاریخ کی شہادت کیا تاریخ سے کوئی شہادت پیش کی جا سکتی ہے کہ کسی شخص یا جماعت نے کوئی جامع نظریہ ایمان اختیار کیے بغیر کامیابی حاصل کی ہو ۔

(۲) وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

اور صالح اعمال کیے ۔

عمل صالح کیا ہے ؟ بدن انسانی کی ہر وہ حرکت و سکون جو انسان کے ایمان کے مطابق ہو اور اس کی تکمیل و تکمیل کے لیے عمل صالح ہے ۔

عمل کی صالحیت کا مدار اصل میں کسی عمل کا اچھا یا بُرا ہونا ، اس کی ظاہری شکل کے اعتبار سے اتنا نہیں ہوتا جتنا اس کی رُوح کے لحاظ سے اور کرنے والے کی اس نیت کے اعتبار سے ہوتا ہے ۔ جو اسے عمل پر اکساتی ہے ۔ مثلاً دُنیا کی تمام قوموں میں یہ مانا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا "بہت اچھا فعل" (عمل صالح) ہے ، گو ہر ایک قوم میں عبادت کی صورت الگ الگ رہی ہو ؛ لیکن اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے اور اس کا قرب حاصل کرنا انسان کے لیے ضروری ہے ۔ یہ قرب حاصل کرنے کا جذبہ ہی

عبادت یا صلوٰۃ کی اصل رُوح ہے ۔ اب اگر یہی عبادت صرف دکھاوے کے طور پر کی جائے تو سب سے بُرا عمل تصور کی جاتی ہے ۔ چنانچہ قرآن حکیم میں اس کی پرزور مذمت کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۔ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۔ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ (۱۰۷)

افسوس ہے ان نمازیوں پر، جو اپنی نماز سے بے خبر صرف دکھاوے کے لیے نماز پڑھتے ہیں ۔

ایسے ہی کسی انسان کو مار ڈالنا بظاہر کتنی بُری بات معلوم ہوتی ہے ۔ سب قوموں کے عقلمند لوگ اسے بُرا کہتے ہیں اور کہتے آئے ہیں ۔ لیکن جب حق کی حمایت میں مرنے اور مارنے کی نوبت آجائے یا کمزور انسانوں کو ظلم سے بچانے کی ضرورت پڑ جائے تو کوئی شخص بھی قتل کرنے سے انکار نہیں کرتا بلکہ اس وقت انسانی قتل کو بہت قابل تعریف فعل سمجھا جاتا ہے ۔

پس جو کام انسان کے ایمان کے مطابق ہو اور اس نیت سے کیا جائے کہ سب انسانوں کو اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچے وہ عمل صالح ہے ۔

"ایمان" اور عمل صالح کا تعلق اصل میں ایمان جڑ ہے عمل کی ۔ جب تک جڑ زندہ ہے درخت زندہ ہے ۔ جب جڑ مر جاتی ہے، درخت خود بخود مُرجھا کر گر جاتا ہے ۔ اسی طرح معاشرے میں ایمان انفرادی اور اجتماعی کاموں کی بنیاد ہے ۔

چنانچہ قرآن حکیم کہتا ہے :

(۱) اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۔ (عنکبوت، آیت ۲)

کیا لوگ خیال کرتے ہیں کہ وہ اتنا کہہ کر چھوٹ جائیں گے کہ "ہم ایمان لے آئے" اور ان کی جانچ نہ ہوگی ۔

(۲) اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ۔ (آل عمران، آیت ۱۴۲)

کیا تمھیں خیال ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ اللہ نے ابھی تک معلوم نہیں کیا جو تم میں لڑنے والے ہیں اور معلوم نہیں کیا جو ثابت قدم ہیں ۔

سورۂ توبہ میں منافقین سے مخاطب ہو کر کہا گیا ہے کہ

(۳) وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ (توبہ، آیت ۱۰۵)

اور کہہ دو کہ عمل کیے جاؤ پھر آگے اللہ اور اس کا رسول اور مسلمان تمھارے کام کو دیکھ لیں گے ۔

(۴) وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۔ (انعام، آیت ۱۲۸)

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی حمایت ان کے عملوں کی وجہ سے کرتا ہے (نہ کہ ان کے صرف اقوال کی وجہ سے)۔

اور اصلی مؤمنوں کے اعمال یہ بتلائے گئے ہیں۔

(۵) وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا (انفال)

اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اپنے گھر چھوڑے اور اللہ کی راہ میں لڑے اور جن لوگوں نے انھیں جگہ دی اور ان کی مدد کی، وہی سچے مؤمن ہیں۔

اجتماعی طور پر اقوام کا امتحان بھی عمل کے مطابق ہوتا ہے محض عقیدوں کی بناء پر نہیں۔

(۶) وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ مِن قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوا ۙ وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ وَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ۔ ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ مِن بَعْدِهِمْ لِنَنظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ۔ (یونس، آیت ۱۳-۱۴)

اور ہم یقیناً تم سے پہلی جماعتوں کو جب انھوں نے ظلم کیا، ہلاک کر چکے ہیں، حالانکہ ان کے پاس اُن کے رسول کھلی نشانیاں لائے تھے۔ لیکن وہ ایمان لانے والے نہ ہوئے ہم مجرموں کی قوم کو اسی طرح سے سزا دیا کرتے ہیں پھر ان کے بعد ہم نے تمھیں زمین میں خلافت[1] دی۔ تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کس طرح سے عمل کرتے ہو۔

آخر میں قرآن حکیم نے یہ قطعی اور حتمی قانونِ فطرت بیان کر دیا ہے کہ

(۷) لَّيْسَ بِأَمَانِيِّكُمْ وَلَا أَمَانِيِّ أَهْلِ الْكِتَابِ ۗ مَن يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَ بِهِ وَلَا يَجِدْ لَهُ مِن دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۔ وَمَن يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا ۔ (نساء، ۱۲۳-۱۲۴)

مدار نہ تمھاری امیدوں پر ہے نہ اہل کتاب کی امیدوں پر۔ جو کوئی بُرا کام کرے گا سزا پائے گا، اور اللہ کے سوا کوئی حامی اور مدد گار نہ پائے گا۔ اور جو کوئی اچھے کام کرے گا وہ مرد ہو یا عورت، اور وہ ایمان بھی رکھتا ہو، ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان کا حق تل بھر بھی ضائع نہ ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ ایمان قائم کرنے کے بعد اگر نتائج نکل سکتے ہیں تو فقط عمل سے۔ اَمْ لِلْاِنْسَانِ

---

[1] امام ولی اللہ دہلویؒ کی اصطلاح میں خلافت سے مراد بین الاقوامی حکومت ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ جلد ۱ صفحہ ۴۴)

مَا تَمَنّٰی ۰ (نجم، ۲۴) کیا انسان کو صرف کسی چیز کی تمنا کرلینے ہی سے وہ مل سکتی ہے؟ نہیں! بلکہ قاعدہ صرف یہ ہے کہ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ۰ (نجم، ۳۹) یعنی انسان کو وہی یا اتنا ہی ملتا ہے، جو یا جتنا وہ خود عمل کرتا ہے۔ غرض ایمان عملِ کی بنیاد ہے اور عملِ ایمان کا نتیجہ۔ ایمان ایسا ہونا چاہیے، جو عمل پر اُکسائے، اور عمل وہ ہو، جو ایمان کے مطابق ہو۔

تاریخ کی شہادت اب تاریخ پر نظر ڈالو۔ کیا اس میں کبھی بھی شہادت یا مثال ملتی ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ کسی اجتماع میں لوگوں نے اچھے عقیدے یا صحیح علم کو اپنا ایمان تو بنا لیا لیکن انھوں نے اپنی زندگی اپنے ایمان کے مطابق نہ ڈھالی، پھر بھی وہ اپنے ایمان کو غالب کرنے میں کامیاب ہوگئے؟ تاریخ کے سارے ورق الٹ جاؤ اس کی ایک مثال بھی نہ پاؤگے۔ البتہ تاریخ انسانی سے جو حقیقت بلاتردید ثابت ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ کامیاب وہی لوگ ہوئے ہیں جنھوں نے اپنے "ایمان" کے مطابق "کام" کیا اور اسے اجتماع میں غالب کرنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگادی۔ پس ایمان کے مطابق کام کرنا اور سر دھڑ کی بازی لگا دینا ہی اصل میں "عملِ صالح" ہے اور ہمیشہ کامیابی اسی سے حاصل ہوئی ہے اور اسی سے حاصل ہوگی۔

(۳) وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ

وہ آپس میں حق کی تلقین کرتے ہیں،

الحق کیا ہے؟ بنیادی طور پر حق میں پختگی اور ثبوت کے معنی پائے جاتے ہیں، جب تک کوئی بات صرف علم کے درجے تک ہے ضروری نہیں کہ وہ عمل پر اُکسائے لیکن جب کسی بات کا علم یقین کے اس درجے تک پہنچ جائے کہ وہ عملِ صالح پر بھی اُکسائے تو وہ حق بن جاتا ہے[۵۱]۔ اسی طرح جب ایمان انسان کے ہر عمل کی بنیاد بن جائے اور وہ اس کے سوا کسی اور چیز کو قبول نہ کرے بلکہ یہ محسوس کرنے لگے کہ اگر یہ ایمان کسی طرح میرے دماغ میں سے نکال لیا گیا تو میں مرجاؤں گا، اس وقت وہ ایمان حق کا درجہ حاصل کرلیتا ہے یہی

---

۵۱ کیونکہ جب کوئی تعلیم محض علم کے درجے سے نکل کر سوسائٹی میں گڑجاتی ہے، وہ مضبوط ہوجاتی ہے۔

وہ منزل ہے جہاں پہنچ کر انسان اپنے ایمان میں امن اور اس کے مطابق عمل کرنے کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کرنے میں راحت پاتا ہے۔

پارٹی کی ضرورت | اگر کوئی شخص کسی عقیدے یا صحیح علم کو اپنا ایمان بنائے اور اس کے مطابق عمل بھی کرے اور اپنا جان و مال اور سب کچھ اس پر قربان کر دینے کا پختہ ارادہ بھی رکھتا ہو تو بھی وہ اجتماع میں اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے ساتھ ایسے لوگوں کو نہ ملائے جن کا ایمان اس کے اپنے ایمان جیسا ہو اور پھر وہ سب ملکر اپنے "مشترک ایمان" کی تکمیل کے لیے پوری پوری اور انتہائی جدوجہد کریں، اور اگر اپنے میں سے کسی کے "ایمان" یا "عمل" میں کمزوری یا کوتاہی پائیں تو اسے ایمان پر قائم رہنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی تلقین کریں۔[۵۱]

پراپیگنڈے کی ضرورت | حقیقت یہ ہے کہ حق کی اشاعت کرنا ہی وہ ذریعہ ہے جس سے وہ اجتماع میں پھیلتا ہے۔ اس سے پارٹی پیدا ہوتی ہے کرتی ہے۔ جب تک حق کی حمایت میں قربانی دینے والی جماعت (پارٹی) پیدا نہ ہو جائے، اجتماع میں حق قائم ہو ہی نہیں سکتا۔ تاریخ ایسی مثالیں تو پیش کرتی ہے کہ ایک اولوالعزم نبی جان فروش افراد کی جماعت ساتھ نہ ہونے کی وجہ سے ناکام رہا، لیکن وہ ایسی کوئی مثال پیش نہیں کرتی کہ ایک صالح عمل صاحب ایمان فرد تن تنہا جماعت کے بغیر حق کو غالب کرنے میں کامیاب ہو گیا ہو۔[۵۲]

---

۵۱ یہ عمل "تواصی بالحق" ہے اس عمل میں کبھی کسی بات کے کرنے کا حکم دیا جائے گا اور کبھی کسی بات کے کرنے سے روکا جائے گا۔ اس لحاظ سے قرآن حکیم میں اسے "امر بالمعروف ونہی عن المنکر" بھی کہا گیا ہے۔

۵۲ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں کئی جگہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ (فتح: ۲۹) (محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی) آیا ہے۔ یعنی آپ کی کامیابی کو آپ کے ساتھیوں کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا ہے۔ بلکہ ایک جگہ تو صریح لفظوں میں حکم دیا گیا ہے کہ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ (کہف، ۲۸) یعنی تو صرف ان لوگوں کے ساتھ وابستگی رکھ جو اپنے رب کو صبح و شام پکارتے ہیں، وہ صرف اس کی رضا کے طالب ہیں۔ اور تیری آنکھیں انھیں چھوڑ کر نہ دوڑیں)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی اس آیت کی مکمل تفسیر ہے۔

فی التضبیع والدیاس والحصاد ولا تقتضی الا لیستعان بها فی الحاجات ثم لا تترک ساعة من العناء حتی صاروا لا یرفعون رؤسهم الی السعادة الاخرویة اصلا ولا یستطیعون ذلک (حجۃ اللہ البالغہ جلد اول)

فصل کاٹنے اور گاہنے اور اپنی حاجتیں پوری کرنے میں استعمال کے لیے زندہ رکھتے تھے۔ انھیں محنت اور مشقت سے ایک دم کی بھی فرصت نہ ملتی تھی کہ آخرت کی سعادت پر غور کرسکتے۔ رفتہ رفتہ ان میں ان امور پر غور کرنے کی صلاحیت ہی ختم ہوجاتی تھی۔

(ب) اس میں **علمی اشتراک** نہ ہو۔ یعنی جس عقیدے یا صحیح علم کو ایمان بنایا گیا ہے اس کے متعلق اجتماع کے ہر ایک رکن کو کم سے کم ضروری معلومات پوری طرح سے حاصل نہ ہوں بلکہ چوٹی کے چند لیڈر ہی تحریک کا علم رکھیں اور وہی پالیسی بنائیں اور عوام اس علم سے محروم ہوں اور پارٹی کے چلانے میں ان کا کوئی ہاتھ نہ ہو۔ یہ برہمن ازم (BRAHMANISM) ہے۔ اس صورت میں دشمن کا پروپیگنڈہ سخت خطرناک ثابت ہوتا ہے۔ وہ پہلے تو جاہل لوگوں کے دلوں میں ایمان کے متعلق وسوسہ پیدا کرتا ہے پھر وسوسہ بڑھتے بڑھتے شک میں بدل جاتا ہے اور پھر ہوتے ہوتے شک انکار کی شکل اختیار کرلیتا ہے کبھی دشمن ڈھلمل یقین لوگوں کو اندرونی انتشار پیدا کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے۔ لیکن اگر ہر شخص کو ضروری علم حاصل ہو تو کوئی بھی وسوسے میں مبتلا نہیں ہوتا اور تحریک دشمن کے فکری حملے سے محفوظ رہتی ہے۔

غرض مشکل حالات میں افراد کو ایمان پر قائم اور عمل پر آمادہ رکھنے کی عملی صورت اس کے سوا اور کوئی نہیں ہوسکتی کہ اجتماع میں افراد کی ضرورت کے مطابق مالی اشتراک ہو اور ضروری علم عام ہو۔ کوئی شخص نہ بھوکا ننگا رہے اور نہ جاہل اور بے خبر۔

مساوات جب اجتماع میں بقدر ضرورت مالی اور علمی اشتراک پیدا ہوجاتا ہے تو اس میں ہر فرد کی بدنی اور عقلی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں۔ کمزوروں کی خبرگیری اور ظالموں کی سرکوبی کا نظام مضبوط ہوتا ہے۔ اس وقت اس اجتماع میں لیڈرشپ صرف ان لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو عوام کی خدمت کرنے میں سب سے آگے اور عدل وانصاف قائم رکھنے میں سب سے زیادہ فکرمند ہوتے ہیں۔

تاریخ کی شہادت اب تاریخ انسانی پر ایک نظر ڈالو! کیا اس کے اوراق اپنے اندر اس کی ایک مثال بھی رکھتے ہیں کہ کسی بلند نظریے پر پارٹی بن جانے کے باوجود جس کے افراد میں ایمان اور عمل صالح بھی موجود ہوں وہ پارٹی استقامت کے ساتھ کام کرنے اور اندرونی مالی و علمی اشتراک کے بغیر ہی اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئی ہو؟

امام ولی اللہ دہلوی رحمہ لکھتے ہیں :-

وھذا الامام الذی یجمع الاُمم علی امۃ واحدۃ یحتاج الی اصول اُخریٰ غیر الاصول المذکورۃ فیما سبق ، مِنْھَا ان یدعوا قوماً الی السنۃ الراشدۃ ویزکیھم ویصلح شانھم ثم یتخذھم بمنزلۃ جوارحہ فیجاھد بھم اھل الارض ویفرقھم فی الآفاق وھو قولہ تعالیٰ : کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ۔ وذلک لأن ھذا الامام نفسہ لا یتاتی منہ مجاھدۃ امم غیر محصورۃ (حجۃ اللہ البالغہ جلد اول صفحہ ۱۱۰)

اس امام کو جو تمام قوموں کو ایک ملت پر جمع کرے اُن اصولوں کے علاوہ جن کا ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں اور اصولوں کی ضرورت ہے۔ اُن اصولوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ پہلے ایک جماعت کو صحیح پروگرام کی دعوت دے۔ انھیں (ان کی پہلی غلط کاریوں سے) پاک کرے، پھر ان کی حالت کو درست کرے اور پھر انھیں اپنا آلۂ کار بنائے اور ان کی مدد سے تمام دنیا سے جنگ کرے اور انھیں دنیا بھر میں (دعوت و تبلیغ کے لیے) پھیلا دے۔ چنانچہ قرآن حکیم کی اس آیت کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران آیت ۱۱۰) (تم بہترین اُمت ہو جو تمام انسانوں کے لیے پیدا کی گئی ہے) کا یہی مطلب ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ امام تن تنہا تمام قوموں سے لڑ نہیں سکتا۔

تاریخ کی شہادت | اب پھر انسانی تاریخ پر نظر ڈالو۔ اور دیکھو کیا ایک مثال بھی ایسی ملتی ہے کہ ایک شخص ایمان اور عمل صالح کے باوجود اپنے ساتھ اپنے جیسے ہم خیال لوگوں کو جمع کیے بغیر اکیلا اور تن تنہا اجتماع میں اپنے ایمان کو غالب کرنے میں کامیاب ہو گیا؟ تاریخ اس کی ایک مثال پیش کرنے سے بھی عاجز ہے۔

(۴) وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝

وہ آپس میں صبر کی تلقین کرتے ہیں۔

صبر کیا ہے؟ | جب انسان اپنے ایمان کے مطابق کام کرتا ہے اور اسے تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کرتا ہے تو اس کی راہ میں بے شمار مشقتیں اور مشکلیں پیش آتی ہیں وہ انھیں جھیلتا ہے اُن کا مقابلہ کرتا ہے اور اپنے ایمان پر مردانہ وار ڈٹا رہتا ہے، یہ صبر ہے!

کفر کیا ہے؟ | اگر رکاوٹیں زیادہ ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ انسان آگے قدم نہ بڑھائے اور ٹائم مارک (MARK TIME) کرتا رہے۔ لیکن مشکلات سے گھبرا کر شکست مان لینا اُصول سے پیچھے

ہٹ جانا ہرگز جائز نہیں، ایماندار آدمی کا صرف ایک کام ہے :۔ فرض ادا کرتا ہوا جان دے دے یا ٹائم مارک کرے اور جب آگے بڑھنے کا موقع پیدا ہو فوراً قدم آگے بڑھائے۔ اصول سے پیچھے ہٹ جانا اور اپنے ایمان کا انکار کر دینا کفر ہے۔ جو شخص کسی حالت میں بھی پیچھے ہٹ جانے کو جائز سمجھ لیتا ہے وہ کبھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔ ایمان والوں کے اجتماع کا یہ فرض بھی ہے کہ وہ اپنے جس ساتھی کو پھسلتا یا کمزور ہوتا پائیں اسے سہارا دے کر گرنے سے روکیں۔ صرف اسی صورت میں اجتماع کامیاب ہو سکتا ہے۔

یہاں یہ حقیقت بھی یاد رکھنی چاہیے کہ کسی اجتماع میں جو ایمان کسی نظریے پر قائم ہوا ہو اس میں دو وجہ سے کمزوری آ سکتی ہے :۔

(۱) اس میں ضرورت کے مطابق مالی اشتراک نہ ہو اور دولت سارے اجتماع میں چکر لگانے کے بجائے ایک چھوٹے سے طبقے میں بند ہو کر رہ جائے۔ اس حالت میں ایک بہت بڑا طبقہ نادار رہ جاتا ہے۔ اب اگر مالدار لوگ خود دادِ عیش دیتے رہیں اور اپنے نادار ساتھیوں کو ایمان پر قائم رہنے اور قربانیاں دینے کی تلقین کرتے رہیں تو اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا بلکہ بد دلی بڑھتی ہے، جس سے دشمن کو ریشہ دوانیاں کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔

اجتماع کی اندرونی پختگی اور مضبوطی کے لیے ضروری ہے کہ ذرائع پیداوار کی تقسیم اس طرح سے ہو کہ سارے اجتماع کی طبعی بنیادی ضرورتیں یعنی خوراک، لباس، مکان، تعلیم، صحت وغیرہ پوری ہوتی رہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو نادار افراد اپنی اُن ضرورتوں کے پورا کرنے میں اتنے پھنس جاتے ہیں کہ وہ اپنے ایمان کی تکمیل سے قاصر رہ جاتے ہیں اور ہوتے ہوتے وہ اس تحریک سے بالکل ہی کٹ جاتے ہیں۔ اس طرح سے تحریک مر جاتی ہے۔

امام ولی اللہ دہلوی ایرانی اور رومی شہنشاہوں کی بربادی کے اسباب پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان ملکوں کے مالدار طبقے اپنی عیش سامانیوں کے لیے کاشت کاروں اور تاجروں وغیرہ پر بڑے بڑے بھاری ٹیکس لگاتے تھے اور ان سے بڑی سختی سے وصول کرتے تھے۔ اور اگر بلا مزاحمت ٹیکس ادا کرتے رہتے تھے تو

جعلواهم بمنزلة الحمير والبقر يستعمل انھیں گدھے اور بیل بنا چھوڑتے تھے جنہیں آب پاشی کرنے،،

انقلابی جماعت اور منافقین لیکن وہ نصب العین یا مقصد جسے ایمان بنالیا ہے بالکل صاف، واضح اور معین ہونا چاہیے، کیونکہ اسی صورت میں افراد پارٹی میں شامل ہوکر متحدہ طور پر کام کرسکتے ہیں۔ اگر نصب العین معین نہ ہو تو ہر شخص اپنے اپنے مطلب کے معنی لے گا۔ اور وہ نصب العین ہی جماعت (پارٹی) کے انتشارِ فکر کا باعث بن جائے گا۔ تاریخ اس امر کی بیسیوں مثالیں پیش کرسکتی ہے کہ نصب العین واضح نہ ہونے کے سبب سے پارٹی ہمیشہ اختلافات کی آماجگاہ بنی رہی اور وہ اپنے نصب العین کو عمل میں نہ لاسکی۔ تاریخ اسلام میں اس کی مثال خوارج کی ہے جن میں نصب العین کی ترجمانی کے اختلافات پیدا ہوتے رہتے اور یہ جماعت اپنی مستقل حکومت پیدا نہ کرسکی۔

کوئی نصب العین جتنا واضح اور معین ہوگا اتنا ہی اس پر ایمان لانے والے اس کی خاطر جان دینے پر زیادہ آمادہ ہوسکیں گے۔ اور جتنا غیر معین اور مبہم ہوگا، اتنی ہی فرار کی راہیں کھلیں گی۔ اور لوگوں کو جان و مال بچانے کا موقع ملے گا۔ ظاہر ہے کہ جس تحریک میں جان اور مال بچانے کا موقع مل جائے وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ نصب العین تو معین ہے لیکن بعض وہ ارکان جو اپنے ذاتی مفادات حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ان کے دلوں میں کچھ ہوتا ہے وہ ظاہر کچھ اور کرتے ہیں۔ یہ لوگ "منافق" کہلاتے ہیں۔ وہ مشکل ہی سے کامیاب ہوتے ہیں۔ انقلاب کی مرکزی جماعت (سنٹرل کمیٹی) کا فرض ہوتا ہے کہ انقلابی پروگرام کی ترجمانی میں ایسے لوگوں کو داخل نہ کرے اور کوئی داخل ہوچکا ہو تو اسے جس طرح بھی ممکن ہو غیر مؤثر بنادے۔

بعض اوقات کم علم یا "جاہل" ارکان بھی نصب العین کے مبہم بنانے میں حصہ لیتے ہیں ان کی تعلیم کا پورا پورا بندوبست ہونا چاہیے تاکہ یہ لوگ نصب العین کے متعلق صحیح علم حاصل کریں اور لاعلمی میں ٹامک ٹوئیے مارتے نہ پھریں۔

ان دونوں صورتوں میں یعنی منافقوں اور جاھلوں کی موجودگی میں ساری جماعت کی علمی قوتیں ایک مرکز پر جمع نہیں ہوسکتیں، اس لیے انقلاب کو کامیاب بنانے کے لیے ان کا انسداد ضروری ہے۔

سورت کا خلاصہ

اس سورت کا خلاصہ یہ ہے کہ تاریخ عالم گواہ ہے کہ انسان اجتماعی تحریک میں چار اصول

اختیار کرکے ہی کامیاب ہوسکتا ہے :-

۱ــــ کسی ایسے عقیدے یا علم کو جس سے سارے اجتماع انسانی کو فائدہ پہنچتا ہو، اپنا نظریہ مان کر کام کرنا۔

۲ــــ اس نظریے کے مطابق عملی زندگی بسر کرنا۔

۳ــــ اس نظریے پر ایک مضبوط جماعت پیدا کرنا۔

۴ــــ اس جماعت یا پارٹی کا انتشار پیدا کرنے والے بیرونی اور اندرونی حملوں سے محفوظ ہونا۔ (ا) بقدر ضرورت مالی اشتراک کے ذریعے سے اور (ب) علمی اشتراک کے ذریعے سے۔

ان میں سے پہلی دو باتوں کا تعلق اجتماع کے ہر ایک فرد کی ذات سے ہے۔ جب تک کسی فرد میں یہ دونوں باتیں نہ ہوں یعنی وہ ایک مشترک نظریے کو قبول کرکے اسے ایمان نہ بنالے، اپنی جان و مال اس پر قربان کرنے کے لیے وقف نہ کردے اور اپنی پوری زندگی اس نظریے کے مطابق بسر کرنے کا پختہ ارادہ نہ کرلے اس وقت تک وہ پارٹی میں جگہ نہیں پا سکتا۔

باقی دو باتیں اجتماع کے متعلق ہیں یعنی پارٹی میں اندرونی اشاعت ہو تاکہ ہر رکن اس نظریے کو جسے سب نے ایمان بنالیا ہے اچھی طرح سمجھے اور اس پر قائم رہے اور بیرونی پروپیگنڈا ہو جس سے پارٹی کے ارکان میں روز بروز اضافہ ہوتا رہے نیز اس جماعت میں بقدر ضرورت مالی اور علمی اشتراک ہو۔ تاکہ تمام افراد اطمینان قلب اور روشن دماغی کے ساتھ کام کرتے رہیں اور ایک دوسرے کو مالی اور علمی مدد دیتے رہیں۔ جس اجتماع میں یہ باتیں نہ ہوں وہ توڑ دینے کے لائق ہے۔

انقلاب | یہ چھوٹی سی سورت قرآن حکیم کی انقلابیت کو پوری طرح سے واضح کرتی ہے۔ اس میں انقلاب کے وہ اصول بیان کیے گئے ہیں جن کے مطابق حضرت محمد رسول مصلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں نے عمل کرکے قرآن حکیم کی حکومت قائم کر دکھائی۔ یہی وہ نمونہ ہے جس کی پیروی کرنے کا تمام انسانوں کو حکم دیا گیا ہے، جیسے ریاضی کے چار ابتدائی قاعدے[ا] نہ ریاضی کے ان قاعدوں کے استعمال سے کسی غلط نتیجے کے نکلنے کی توقع ہوسکتی ہے، نہ انقلاب کے ان اصولوں کے استعمال سے کسی خلاف توقع نتیجہ نکلنے کا اندیشہ۔ ایسے ہی ریاضی کے ہر ایک

[ا] یعنی جمع، تفریق، ضرب، تقسیم

قاعدے کے استعمال سے جو نتیجے حاصل ہوتے ہیں وہ اسی قاعدے کے استعمال سے حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ کسی اور قاعدے کے استعمال سے نہیں۔ ایسے ہی انقلاب سے جو نتیجہ حاصل ہوتا ہے وہ کسی اور طریقے سے حاصل ہونا ناممکن ہے۔

حقیقت میں انقلاب ایک طریق کار (METHODOLOGY) ہے جس کے تین حصے ہیں:۔

(۱) نصب العین (IDEAL)

(۲) جماعت (PARTY)

(۳) لائحۂ عمل (PROGRAMME)

اِس لحاظ سے اس سورت کا تجزیہ کیا جائے تو

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ میں "نصب العین" معین کرنے کی ضرورت اور اس کے مطابق عمل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ میں "جماعت" کی جتائی گئی ہے اور اس کے پیدا کرنے کا طریق بتایا گیا ہے۔

وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ میں انقلاب کے "عملی پروگرام" یا "لائحۂ عمل" کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

نوع انسانی کی ساری تاریخ گواہ ہے کہ ان چار قاعدوں کے عمل میں لائے بغیر انسان کبھی حق کو قائم نہیں کر سکا۔ اور تاریخ کا یہ مسلسل عمل ظاہر کرتا ہے کہ ان چاروں اصولوں پر عمل کیے بغیر کوئی جماعت کبھی حق کو قائم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ تاریخِ اسلام کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے لے سیدنا عثمان غنیؓ کی شہادت یا زیادہ سیدنا علی مرتضیٰؓ کی خلافت کے ابتدائی دو سال تک جو پچاس برس کا زمانہ ہے، وہ انقلاب کی یہ تمام شرطیں پوری کرتا ہے۔ اس زمانے میں قرآنی نظام سیاست، معاشیات اور قربِ الٰہی حاصل کرنے کے طریقوں کو غالب کرنے کا نصب العین معین شکل میں ان کے سامنے تھا، وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ (۹: ۱۰۰) (مہاجرین اور انصار میں سے ابتدائی مسلمان)، وہ مرکزی جماعت تھی، جو حزب اللہ (اللہ کی پارٹی) کی رہنمائی کر رہی تھی۔ انھوں نے اپنی ضرورتوں کے مطابق فوجی لائحۂ عمل مکمل کیا۔ پہلے عرب پر قبضہ کر کے قومی انقلاب قائم کیا، پھر ایران اور روم کے علاقوں پر قبضہ کیا۔ اور پھر رفتہ رفتہ

مشرق اور مغرب کی طرف بڑھے۔ اور نہایت شاندار کامیابیاں حاصل کیں۔ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ (۲: ۱۱۵) اور مشرق اور مغرب اللہ ہی کے لیے ہیں۔

آج بھی مسلم نوجوان انقلاب کے انھی اصولوں کو اختیار کرکے قومی اور بَیْنَ الاقوامی کامیابیاں حاصل کرسکتا ہے۔ ان اصولوں کو اختیار کیے بغیر وہ قرآن حکیم کو کبھی بھی کامیابی کے ساتھ کامل طور پر قائم نہیں کرسکتا۔ اور یہ بات بھی واضح ہے کہ قرآنی اصولِ حیات کو قائم کیے بغیر دنیا میں امن قائم نہیں ہوسکتا۔

قرآن حکیم کا بین الاقوامی اور عالمگیر غلبہ ہی وہ مطمح نظر ہے جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پارٹی کے سامنے رکھا اور جس کی کامیابی کی خاطر انھوں نے جان توڑ کوشش کی۔ آج بھی ہمارے نوجوانوں کے سامنے یہی نظریہ، یہی نصب العین اور یہی مقصدِ حیات ہے۔ ان انقلابی اُصولوں کے مطابق دین اسلام کا غلبہ تمام ادیانِ عالم پر قائم کرنا مسلمان نوجوانوں کا فرض ہے۔ چنانچہ غلبۂ دین کے معنیٰ کی تشریح کرتے ہوئے حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ دین اللہ کا غلبہ ادیان پر قائم کرنے کا عمل حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع فرمایا:۔ فَقَهَرَ رسولُ اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم الامیّینَ حتی دانوا بالاسلام۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب پر سیاسی غلبہ حاصل کیا یہاں تک کہ اہل عرب اس دین کے قانون کے مطیع ہوگئے۔

اس کے بعد بقول امام ولی اللہ دہلوی" غلبۂ اسلام کی دُوسری منزل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں نے طے کی اور اسلام کو ایرانی اور رومی سلطنتوں پر سیاسی غلبہ دیا۔ اب مسلمان نوجوانوں کا فرض ہے کہ وہ بھی پہلے اپنے وطنِ عزیز میں قرآن کا غلبہ قائم کریں۔ اور اس کے بعد اسے دنیا بھر کی سب سے بڑی سیاسی ومعاشی طاقت بنائیں تاکہ وہ انسانی قدریں دُنیا میں قائم ہوسکیں۔ جو وہ غالب کرنی چاہتا ہے۔ واللّٰہ المستعان۔

غلام مصطفیٰ قاسمی نے زاھد پریس حیدرآباد سے
چھپواکر شاہ ولی اللہ اکیڈمی سے شائع کیا۔